خواجہ معین الدین کے ڈراموں میں مشرقی و مغربی تہذیب کی آویزش

شگفتہ خورشید

پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

CONFLICT OF EASTERN AND WESTERN CULTURES IN PLAYS OF KHAWJA MOEEN AL DIN

Shagufta Khursheed
PhD Scholar (Urdu)
Department of Urdu, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Khawaja Moin-ud-Din is a popular play writer of Urdu. He wrote almost seventeen plays, some of them before independence and other post independence. He has not only pointed out social problems but also hinted at the conflict of Eastern and Western civilization in his plays. Each of his play shows the spirit of patriotism, attachment to the oriental traditions and sympathy with the nation. He won fame through his plays like "Taleem-e-Balghan, Mirza Ghalib Bandar Road Par, Lal Qilay Se Laloo Khait Tak, Zawal-e-Haidarabad, Nanhay Nawab. These plays have not only staged but also got telecast on PTV. The conflict of Eastern and Western civilization can easily be observed in these plays.

Keywords:

خواجہ معین الدین، ایم اے چشتی، مشرقی تہذیب، مغربی، پنجاب، پٹیالہ، تہذیب، سٹیج ڈراما

خواجہ معین الدین کا شمار صفِ اوّل کے سٹیج ڈراما نگاروں میں ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اردو سٹیج ڈراما کا وہ معیار نہ رہا تھا جو تقسیم سے پہلے تھا۔ یہ تنزلی کی طرف جا رہا تھا۔ خواجہ معین الدین نے اردو سٹیج ڈرامے کو سہارا دیا۔ انھوں نے اسٹیج ڈراما کی طرف خصوصی توجہ دی۔ جو ڈرامے انھوں نے تحریر کیے دائمی شہرت حاصل کر گئے۔ اے ایم چشتی لکھتے ہیں:

''قیام پاکستان کے بعد خواجہ معین الدین نے اسٹیج ڈرامے کے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے خوب جدوجہد کی اس لیے کہ انھیں ڈرامے سے فطری لگاؤ تھا۔''(۱)

وہ طنزیہ و مزاحیہ انداز اختیار کرتے ہوئے معاشرتی ناہمواریوں، قومی و ملی مسائل کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے ڈراموں 'تعلیم بالغاں اور مرزا غالب بندر روڈ پر' کو خاص مقام حاصل ہے۔ ان کے ڈراموں کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ یہ ٹی وی پر بھی متعدد بار ٹیلی کاسٹ ہوئے۔ ڈاکٹر فخر الحق نوری لکھتے ہیں:

''بنیادی طور پر خواجہ معین الدین اسٹیج کے قلم کار تھے اور دوسرے ڈراموں کی طرح ان کے یہ ڈرامے (مرزا غالب بندر روڈ پر اور تعلیم بالغاں) بھی فی الاصل اسٹیج ہی کے لیے لکھے گئے تھے جہاں مقبولیت کی سند حاصل کرنے کے بعد انھیں ٹیلی ویژن کی سکرین پر پیش بلکہ بار بار پیش کیا گیا۔ یوں خواجہ معین الدین کی شہرت ملک کے بعض بڑے شہروں، خصوصاً کراچی میں اسٹیج کے تماشائیوں کے محدود حلقے سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی۔''(۲)

خواجہ معین الدین تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے چشم دید گواہ تھے۔ حیدرآباد میں بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں حتیٰ کہ خواتین پر بھی ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ یہ تمام دردناک مناظر انھوں نے اپنے ڈرامے 'زوال حیدرآباد' میں بیان کیے ہیں۔ اس ڈرامے میں حیدرآباد کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سرزمینِ ہندوستان عام مسلمانوں کی قتل گاہ بن گئی۔ دلی کی آبرو لٹ گئی، مشرقی پنجاب کا سہاگ چھن گیا۔ بہار اور یوپی میں مسلمانوں کی تہذیب زخمی ہوگئی۔ بھرت پور، الور اور پٹیالہ کی زمین مسلمانوں کے آنسوؤں اور خون سے بھیگ گئی۔''(۳)

برصغیر کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے۔ یہ تہذیب مشرقی اقوام کی آئینہ دار ہے۔ ماضی میں اس خطے میں متعدد اقوام نے ڈیرے جمائے جو اپنے ساتھ اپنی تہذیبیں بھی لائیں۔ ان تہذیبوں نے ایک دوسرے کو متاثر ضرور کیا۔ جب مغربی اقوام نے اس سرزمین پر قدم رکھا، وہ اپنی ثقافت اور تہذیب و تمدن بھی ساتھ لائیں جس نے اس خطے کے مقامی لوگوں، ان کی تہذیب کو متاثر کیا۔ انھوں نے اپنا نظام تعلیم اور سیاسی پالیسیاں لاگو کیں۔ مغربی تہذیب نے اپنا اثر ایسا ڈالا کہ باوجود اس کے برے اثرات کے لوگوں کے ذہنوں کو

ایسا جکڑا کہ آج تک مکمل چھٹکارا حاصل نہیں کر پائے۔اس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں انگریزوں نے اپنی تہذیب کی چکاچوند سے نئی نسل اور مقامی لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کیا۔یہی وجہ ہے کہ غداروں نے سر اٹھائے جس سے مسلمانوں کو شکست اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے باوجود کہ مغربی تہذیب نے اپنے پنجے گاڑے،لوگوں کو اپنی تہذیب سے مرعوب کیا، پھر بھی مشرقی تہذیب کی روح برقرار رہی جس کے باعث ان دونوں میں ٹکراؤ اور تصادم نظر آتا ہے۔انگریزوں کے جانے کے بعد جو لوگ ان کے پیروکار تھے،خواجہ معین نے اپنے ڈرامے 'زوال حیدرآباد' میں ان کے خیالات کو اور عوام پر ہونے والے ظلم وستم کو عیاں کیا ہے۔یہ پہلا ڈراما تھا جو انھوں نے پاکستان کی سرزمین پر لکھا اور اس کو اسٹیج کیا گیا۔اس میں لوگوں کی مغربی تہذیب سے مرعوبیت کو بیان کیا گیا ہے۔حیدرآباد کے ایک محل کے مالک، بڑے صاحب جو شراب پینے کے عادی اور عیش وعشرت کے دل دادہ ہیں، ڈاکٹر نے انھیں شراب پینے سے منع کیا ہے اس کے باوجود شراب نوشی پر بضد ہیں۔خواجہ صاحب نے اس ڈرامے میں مغربی تہذیب پر طنز کی ہے۔بڑے صاحب کو انگریزوں کے جانے کے بعد انگریز اور ان کی تہذیب یاد آتی ہے۔ تہذیب کا یہ پہلو مشرقی تہذیب سے متصادم ہے:

"صاحب: اوہو۔آج پہلی دفعہ ایسے الفاظ سن رہا ہوں۔دیکھو شراب کی توہین مت کرو۔
(گلاس لے کر)،اب بھلا کیا رہ گیا ہے۔انگریز کے چلے جانے کے بعد سے نہ وہ مہذب سوسائٹی رہی، نہ وہ ناچ گھر، نہ وہ کلب اور نہ وہ انگریز لڑکیاں، نہ وہ رومانس۔لے دے کر اس ظالم شراب میں ایک نشہ باقی رہ گیا ہے۔اگر وہ بھی چلا جائے تو زندگی بے مزا ہو جائے گی دوست۔

فوجی: سچ فرماتے ہیں حضور! میں حضور کے حکم کو ٹال بھی نہیں سکتا۔کیا عجب ہے کہ کل یہ مملکت آصفیہ مملکت اسلامیہ میں تبدیل ہو جائے اور ہم مسلمان آبِ حیات کو ترس جائیں۔''(۴)

خواجہ معین الدین نے اپنے ڈراموں میں معاشرتی ناہمواریوں اور خامیوں کو بھی طنز ومزاح کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔وہ طنزیہ نشتروں سے معاشرتی ناسور کی نشتر زنی سے فاسد مادوں کا اخراج کر کے معاشرے کا علاج کرتے ہیں۔آغا ناصر،خواجہ معین الدین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں ایسے سچے، شگفتہ اور حقیقت پر مبنی ڈرامے کسی اور نے نہیں لکھے۔ظرافت، شگفتگی اور طنز ومزاح کے پیرائے میں بات کہنے کا جو ڈھنگ خواجہ معین الدین کو آتا تھا، وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔''(۵)

خواجہ صاحب کا سب سے مقبول ڈراما 'تعلیم بالغاں' ہے۔اس ڈرامے میں پاکستان کے قیام کے بعد یہاں کے تعلیمی نظام اور معاشرتی وسیاسی حالات کی صورت حال کو طنزیہ انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

میرزا ادیب 'تعلیم بالغاں' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ ڈراما ٹیلی ویژن کا سدا بہار پھول ہے۔ بار بار دکھایا گیا ہے اور اتنی عوامی مقبولیت حاصل کر چکا ہے کہ آج بھی دیکھنے والے اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔''(۶)

خواجہ صاحب کے ڈراموں میں سنجیدہ طنز و مزاح پایا جاتا ہے۔ اس میں پھکڑ پن نہیں ہے وہ جہاں کوئی کمزوری اور محرومی محسوس کرتے ہیں وہاں وہ مزاح سے کام لیتے ہیں اور جہاں کوئی غفلت دیکھتے ہیں وہ طنز کے نشتر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ڈرامے 'تعلیم بالغاں' میں اصلاحی پہلو نظر آتا ہے۔ وہ اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم کو کسی بھی معاشرے کی بقا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے معاشرے میں جب ان اوصاف کی کمی دیکھی تو وہ طنزیہ انداز اپنا کر اپنے ڈرامے 'تعلیم بالغاں' میں بڑوں کو تعلیم دیتے نظر آتے ہیں۔

اس ڈرامے میں انھوں نے مغربی تہذیب پر بھی چوٹ کی ہے۔ وہ اس تہذیب کو قوم کے لیے زہر قاتل تصور کرتے ہیں۔ خواہ یہ مذہبی پہلو ہو، معاشرتی ہو، سیاسی، رہن سہن کا ہو یا لباس اور بالوں کی تراش خراش سے متعلق ہو، وہ اسے خطرناک گردانتے ہیں۔

وہ مشرقی اور مغربی تہذیب میں آویزش دیکھتے ہیں۔ اس ڈرامے کا مرکزی کردار مولوی صاحب کا ہے جس نے ایک مدرسہ کھول رکھا ہے وہ مختلف پیشہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے بالغوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔ وہ اپنے شاگرد حجام شمشیر عرف شمشو سے اپنے بیٹے کے بال کاٹنے کو کہتا ہے۔ شمشو اس کے بال انگریزی طرز کے کاٹ دیتا ہے جس پر مولوی صاحب برہم ہو جاتے ہیں:

"مولوی: (پیار سے اسے گلے لگاتے ہوئے)''ارے شمشو! تو آ گیا بیٹے! شمشو بیٹے تو نے کہا تھا کہ جمعہ کے دن میرے پاس گاہک بہت ہوتے ہیں۔ ہفتے کو بچے کے بال کاٹ دوں گا، کاٹ دیا بیٹے؟

حجام: (فخریہ انداز میں)''کاٹ دیا ہوں مولوی صاحب! انگریزی بال کاٹا ہوں۔

مولوی: (گھبرا کر) ارے ارے! کہیں بچہ ضائع تو نہیں ہو گیا؟

حجام: (ہنستے ہوئے) ارے مولوی صاحب! کیا بات کر رہے ہیں آپ؟ کہیں انگریزی بال کاٹنے سے بھی بچہ ضائع ہوتا ہے؟

مولوی: (پریشانی سے) ارے بابا! میں اس انگریز کی حجامت سے بہت ڈرتا ہوں جہاں اس کا اُسترا چلتا ہے وہاں آدمی ہی صاف ہو جاتا ہے۔ بچہ کھیل کو در ہا تھا نا؟''(۷)

مولوی صاحب مغربی تہذیب کو مشرقی تہذیب کے لیے ایک ایسا نشتر سمجھتا ہے جو اس کو زخمی کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انگریزی طرز کی حجامت کو بھی پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ مخلوط تعلیم کے بھی منافی ہیں۔ اس تعلیم کا نتیجہ وہ لڑکوں کی تباہی بتاتے ہیں وہ اپنی بیوی کی بات سمجھے بغیر کہتا ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم خرابی کا باعث ہے:

"مولوی: (اونچی آواز میں) کیا کہا۔۔لڑکیاں نہیں لاتا۔ مدرسہ میں لڑکیوں کو لا کے مدرسے کو' کو ایجوکیشن' بنا کے کیا لڑکوں کو تباہ کر دوں؟''(۸)

گویا خواجہ معین الدین مغربی طرزِ تعلیم کو مشرقی طرزِ تعلیم کے منافی گردانتے ہیں اور ان دونوں نظام ہائے تعلیم میں جو بُعد ہے دونوں تہذیبوں میں آویزش کا باعث ہے۔ان کا یہ ڈراما اگرچہ بنیادی طور پر حکومت کے تعلیمی پروگرام کو فروغ دینے اور ان پڑھ اور بڑی عمر کے افراد کو تعلیم دینے کے لیے تحریر کیا گیا، تاہم معاشرتی ناہمواریوں اور خامیوں کو مزاحیہ انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی و مشرقی تہذیب کی آویزش کو بھی کہیں کہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ماہ نور خالد ڈراما 'تعلیم بالغاں' کے بارے میں لکھتی ہیں:

''خواجہ معین الدین کے قلم سے مزاح کے انداز میں 'تعلیم بالغاں' ایک ایسا ڈراما ہے جس میں معاشرے کے غیر انسانی روّیوں کا طنزیہ و مزاحیہ انداز میں پردہ چاک کیا گیا ہے۔۔۔وہ ایک دردمند اور محبّ دل رکھتے ہیں۔ جب وہ معاشرے میں معاشرتی ناہمواریوں کو فروغ پاتا دیکھتے ہیں تو وہ اسے سدھانے کے لیے مزاح سے کام لیتے ہیں اور وہ مزاح ہی ہے کہ وہ اپنے کرداروں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔''(۹)

کسی قوم کے لیے اور اس کی تہذیب کے لیے زبان کی اہمیت مسلم ہے۔ برصغیر کی زبان اور خاص کر پاکستان کی زبان اردو کو اہمیت حاصل ہے۔ یہ مشرقی تہذیب کی آئینہ دار ہے۔مغربی تہذیب کی زبان انگریزی نے مشرقی زبانوں کو بھی متاثر کیا۔اس نے ایسا قبضہ جمایا کہ آج تک چھٹکارا نہیں پایا جا سکا۔یہی وجہ ہے کہ زبانوں میں بھی آویزش نظر آتی ہے۔مولوی محبت علی کا شاگرد جب ان سے اردو زبان کے بارے میں سوال کرتا ہے تو مولوی صاحب لاجواب ہو کر خاموش رہتے ہیں۔

''قصاب: (ڈرتے ہوئے) پوچھوں؟

مولوی: ہاں پوچھ پوچھ۔

قصاب: اچھا پوچھتا ہوں (ڈرتے ڈرتے) اردو پاکستان کی سرکاری زبان کیوں نہیں ہوتی؟

(مولوی صاحب سوچنے لگتے ہیں اور پھر لاجواب ہو کر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔قصاب مولوی صاحب کو لاجواب ہوتے دیکھ کر پھول جاتا ہے اور سینہ تان کر اکڑ جاتا ہے)۔۔۔

مولوی: ہاں اردو۔۔؟

قصاب: اردو پاکستان کی سرکاری زبان کیوں نہیں ہوتی؟

مولوی: (لاجواب ہو کر) ارے اب تک یہی سوال چلا آ رہا ہے کیا؟''(۱۰)

خواجہ معین الدین کو تہذیب وتمدن سے جو محبت تھی؛ اپنے لوگوں سے جو ہمدردی اور پیار کا جذبہ رکھتے تھے؛ ان کے تمام ڈراموں سے عیاں ہے۔خواجہ صاحب کا ۱۹۵۶ء میں اسٹیج ہونے والا مقبول ترین ڈراما 'مرزا غالب بندر روڈ پر' ہے۔اس ڈرامے میں انھوں نے مرزا غالب کو پاکستان کی سیر کرا کر پاکستان کے حالات وواقعات بیان کیے ہیں۔تقسیم ہندستان کے بعد کراچی کی تہذیب وثقافت اور زبان ومعاشرت کو جن مسائل کا سامنا ہے، بیان کیا ہے۔'تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند' میں تحریر ہے:

> ''خواجہ معین الدین کا ایک اور مقبول اور اہم ڈراما 'مرزا غالب بندر روڈ پر، ۱۹۵۶ء میں اسٹیج کیا گیا۔تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں وقوع پذیر ہونے والے نئے حالات اس ڈرامے کا موضوع ہیں۔اس میں بتایا گیا ہے کہ کراچی میں ہماری تہذیب، معاشرت اور زبان کن مسائل کا شکار ہے۔ ایک طرح سے کراچی پاکستان کے دوسرے علاقوں کی علامت ہے۔''(۱۱)

خواجہ صاحب نے طنزیہ انداز اپناتے ہوئے پاکستانی معاشرے اور تہذیب کے مسائل کو پیش کیا ہے۔ساتھ ہی برس ہا برس سے مغربی تہذیب کے اثرات جو مشرقی تہذیب پر ہیں اور ان میں تصادم کی فضا پیدا کرتے ہیں، انھیں بھی پیش کیا ہے۔

میر تقی میر اور غالب کے درمیان ہونے والی گفتگو میں غالب میر تقی میر کو بتاتا ہے کہ وہ مہاتما گاندھی سے ملنے گیا تھا تو وہ خاموش تھے لیکن جب دوسرے دن ملنے گیا تو وہ بولے لیکن مجھے سمجھ نہیں آیا۔میر تقی میر نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے:

"میر: ہائیں! ابھی تم کہہ رہے تھے کہ انھوں نے بولنا شروع کیا۔

غالب: جی وہ انگریزی بول رہے تھے۔

میر: اوہ پھر تمھاری سمجھ میں کیا خاک آیا ہوگا۔لیکن گاندھی جی تو اچھی خاصی اردو بولتے ہیں تم نے انھیں اردو بولنے کو کیوں نہیں کہا؟

غالب: جی میں سمجھا شاید آج انگریزی کا دن ہو۔

میر: ہاہاہا۔۔۔بھئی تم بھی عجیب آدمی ہو۔پھر اس کے بعد کوئی ملاقات نہیں ہوئی؟

غالب: ہوئی۔

میر: یعنی ملاقات ہوئی؟

غالب: جی ہاں۔

میر: پھر۔

غالب: میں نے اردو کی تباہی اور اپنے مقبرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا، مہا تما جی اس بے چاری اردو نے آپ کو سارے ہندوستان سے روشناس کرایا۔ آپ کو رہنما، راہبر، بلکہ مہا تما بنایا۔ انتہا یہ کہ لوگ آپ کی پرستش کرنے لگے۔ آج وہی اردو بے سہارا اور آوارہ پھر رہی ہے اور آپ خاموش ہیں اور اس پر طرفہ یہ کہ اردو کو دفن کیا جا رہا ہے۔'' (۱۲)

اردو زبان مشرقی تہذیب کی آئینہ دار ہے اس پر انگریزی تہذیب کی ضرب نے اس کی اہمیت وحیثیت کو نقصان پہنچایا ہے جس کا خواجہ صاحب کو دکھ ہے اور یہ دونوں تہذیبوں میں تصادم کا باعث ہے۔ انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے اور ہر علاقے اور قوم کی تہذیب اس کی پہچان ہے۔ مغربی تہذیب نے مشرقی اقوام پر تسلط کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے ان کے ذہنوں تک کو غلام بنا ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی انسان ابھی تک مغربی تہذیب کے اثر سے باہر نہیں نکل سکا، تاہم اسے اس کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنے اس ڈرامے (مرزا غالب بندر روڈ پر) میں اپنے کرداروں 'سیٹھ' اور 'ٹیپو' کے درمیان ہونے والے مکالمے میں مغربی تہذیب کی بالادستی کے اثرات بیان کیے ہیں:

سیٹھ: ابی سالا تو بھی اسکیچ تعر یسھ کرتا ہے۔ جیسا اپن کچھ ہے نئی۔

ٹیپو: تو۔۔۔تو اور میں اور ہم سب غلامی کی اندھیری راہوں پر راستہ دکھانے والے پتھر ہیں جن کی پیشانیوں پر انگریزوں نے جلی قلم سے لکھ دیا ہے۔ تیس سال کی غلامی، چالیس سال کی غلامی، پچاس سال کی غلامی۔ ہمارے ذہنوں میں غلامی کی تاریخ بس گئی ہے قادر۔ ہم بھلا ایسے معصوم خواب کہاں دیکھ سکتے ہیں؟'' (۱۳)

گویا ہماری تہذیب میں مغربی تہذیب کا شکنجہ اس قدر مضبوط ہے کہ اس سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں تہذیبوں میں آویزش ہونا لازمی امر ہے۔

'لال قلعے سے لالوکھیت تک' یہ ایک مسائلی ڈراما ہے۔ اس ڈرامے کا شمار بھی مقبول ڈراموں میں ہوتا ہے۔ اس میں خواجہ صاحب نے تقسیم ِ ہند کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین، ان کے مسائل اور حالات کو موضوع بنایا ہے۔ مہاجرین اور سندھی لوگوں کے روّیے کیسے تھے؟ نئی سرزمین میں ان کی آبادکاری کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اے ایم چشتی لکھتے ہیں:

> ''خواجہ معین الدین نے 'لال قلعے سے لالوکھیت تک' میں اتحاد اور یگانگت کے علاوہ ان مسائل کا ذکر بھی کیا ہے جو آزادی کے بعد حیدرآباد کے مکینوں کو درپیش ہوئے اور وہ پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔'' (۱۴)

اس ڈرامے میں لوگوں کے اپنے وطن اور علاقے سے بچھڑنے کا غم اور نئی آزاد فضا میں آباد ہونے کی خوشی کے ملے جلے جذبات ظاہر کیے گئے ہیں۔ بے سروسامانی کے عالم میں اپنے اعزہ و اقارب کو چھوڑنا سب پر گراں گزر رہا تھا، تاہم وہ نئی سرزمین پر آباد ہونے آرہے ہیں جہاں انھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس ڈرامے کا نام 'لال قلعہ' علامت ہے عظمت و شان کی۔ میرزا ادیب لکھتے ہیں:

''لال قلعہ علامت ہے اقتدار کی، امارت اور عظمت کی اور سب سے بڑھ کر حکمرانی کی اور خواجہ معین الدین نے اپنے ڈرامے میں جن افراد کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے ہوئے دکھایا ہے وہ یہی لوگ ہیں جن کا واسطہ ذہنی طور پر لال قلعہ سے ہے۔ گویا یہ عام لوگوں سے بدرجہا بلند ہیں۔ کم از کم خود کو عام لوگوں سے بہت بلند تصور کرتے ہیں۔'' (۱۵)

خواجہ معین الدین کو اپنی روایات، تہذیب و معاشرت سے جو محبت اور وابستگی ہے ان کے ہر ڈرامے میں اس کا اظہار ملتا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی مشرقی تہذیب اور مغربی تہذیب کا ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ اگرچہ نوجوان نسل انگریزی تہذیب کو فیشن کے طور پر اپنا چکی ہے لیکن بزرگ اس تہذیب سے خائف نظر آتے ہیں۔ دلبر شاہ پاکستان سے محبت کرنے والا شخص ہے۔ وہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد اڑ کر پاکستان آنا چاہتا ہے۔ روایتی لباس پہنتا ہے۔ اپنی تہذیب سے پیار کرتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے چھوٹے نواب کو بھی مشرقی دیکھنے کا خواہاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ننگے سر اُن کے سامنے آتا ہے تو کہتے ہیں:

''دلبر شاہ: (چونکتے ہوئے) بجا ارشاد! کاہے کا بجا ارشاد! کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں جی تم سے کہ یہ کرستانوں کی وضع چھوڑو۔ تمھارے خاندان میں بھی کوئی ننگے سر بزرگوں کے سامنے آیا ہے؟ (سمجھاتے ہوئے) ٹوپی پہن لو برخوردار! ننگے سروں پہ تاجِ برطانیہ کا سایہ ہوتا ہے۔'' (۱۶)

چھوٹا نواب سگریٹ پیتا ہے لیکن والد سے چوری چھپے۔ اسی طرح تاش بھی کھیلتا ہے۔ دلبر شاہ اسے کہتا ہے کہ تاش نہ کھیلا کرو۔ دلبر شاہ اپنے بیٹے سے کہتا ہے:

''دلبر: دیکھو میاں صاحب زادے۔ ہائیں! ابھی ننگے سر ہی کھڑے ہو (نواب ٹوپی پہن لیتا ہے)۔ یہ کرستانوں اور کافروں کے کھیل ہمیں سخت ناپسند ہیں۔ دھواں پینے کو جی چاہتا ہے تو حقہ پیا کرو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ وقت بے وقت دل بہلانے کو جی چاہے تو ہمارے ساتھ چوسر اور پچیسی کھیل لیا کرو لیکن یہ تاش لاحول ولاقوۃ۔'' (۱۷)

دلبر شاہ اپنے بیٹے چھوٹے نواب اور ڈاکٹر داماد کو پاکستان ہجرت کرنے کے لیے کہتا ہے۔ ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آزاد سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو ایک سندھی دکاندار سے ملاقات ہوتی ہے۔

سندھی مقامی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے مہاجرین کو خوش آمدید کہتا ہے۔خواجہ صاحب نے اس موقع پر مغربی زبان سے نفرت کو واضح کیا ہے:

''سندھی: جھوٹ نہیں بولیں گا نی۔ اِدر تو سب لوگ اردو بولنا پڑا ہے۔ اردو نہیں ہووے تو کسی کسی ٹیم پر سندھی، پنجابی سے پنجابی، پٹھان سے کیسے بات کریں گانی بابو!

زاہد: کرنے والے تو انگریزی میں بھی کر لیتے ہیں چاچا۔

سندھی: انگریجی! لخالعنت۔وڑی وہ تو کافر لوگ کا جبان ہے بابو۔گریب لوگ تو سب اردو ہی بولنا پڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تو ابی ادر نوا نوا پڑا ہے۔تم ابی اور کتنے دن سے رہتا پڑا ہے بابو!؟''(۱۸)

خواجہ معین الدین کو اپنی تہذیب، معاشرت سے والہانہ وابستگی تھی۔ یہ ان کے ڈراموں سے عیاں ہے۔ان کے ڈرامے سادہ رواں زبان میں تحریر ہوئے۔انھوں نے ان ڈراموں میں مشرقی ومغربی تہذیب کی کشمکش کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی مسائل کی بھی عکاسی کی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) اے ایم چشتی،خواجہ معین الدین پاکستانی اسٹیج کے روح رواں،مشمولہ ماہ نامہ قومی زبان،کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،ستمبر۲۰۱۹ء،ص۵۰

(۲) فخر الحق نوری،ڈاکٹر،خواجہ معین الدین اور 'تعلیم بالغاں'،لاہور:کتاب سرائے،۲۰۱۸ء،ص۱۱

(۳) خواجہ معین الدین،زوالِ حیدر آباد،مشمولہ،خواجہ معین الدین کے ڈرامے،مرتبہ ڈاکٹر انور احمد،ڈاکٹر روبینہ ترین،شہلا کنول،ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۴ء،ص۷۹

(۴) ایضاً،ص۹۰

(۵) آغا ناصر،کچھ یادیں کچھ باتیں،مشمولہ،خواجہ معین الدین اور تعلیم بالغاں،مرتبہ ڈاکٹر فخر الحق نوری،ص۲۴

(۶) میرزا ادیب،خواجہ معین الدین ایک تعارف،مشمولہ،پاکستانی ادب (ڈراما)،جلد ششم،مرتبہ رشید امجد،راولپنڈی: فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج،۱۹۸۸ء،ص۴۳۲

(۷) خواجہ معین الدین،تعلیم بالغاں،مشمولہ خواجہ معین الدین کے ڈرامے،ص۳۸۴

(۸) ایضاً

(۹) ماہ نور، ڈراما تعلیم بالغاں، مشمولہ ادب معلی '(سنہری شمارہ)، لاہور: اکادمیات پاکستان، اپریل تا جون ۲۰۱۹ء، ص ۲۲۹

(۱۰) خواجہ معین الدین، تعلیم بالغاں، مشمولہ خواجہ معین الدین کے ڈرامے، ص ۴۲۱۔۴۲۲

(۱۱) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۱۴

(۱۲) خواجہ معین الدین، مرزا غالب بندر روڈ پر، مشمولہ خواجہ معین الدین کے ڈرامے، ص ۲۲۷

(۱۳) ایضاً، ص ۲۴۵

(۱۴) اے ایم چشتی، خواجہ معین الدین پاکستانی اسٹیج کے روح رواں، مشمولہ قومی زبان، ص ۵۳

(۱۵) میرزا ادیب، خواجہ معین ایک تعارف، مشمولہ پاکستانی ادب، ص ۴۳۳

(۱۶) خواجہ معین الدین، لال قلعے سے لالوکھیت تک، مشمولہ خواجہ معین الدین کے ڈرامے، ص ۲۸۷

(۱۷) ایضاً، ص ۲۸۸

(۱۸) ایضاً، ص ۳۳۸